

## علم النفسیات کا ایک افادہ پہلو

لفظینٹ نزل جناب خواجہ عبدالرشید صاحب آئی۔ ایم۔ ایس

علم النفس کی متعدد تعریفوں کی جاچکی ہیں مگر ان میں سے ایک بھی ایسی نہیں جو اس اصطلاح کو پوری طرح واضح کر کے زندگی کے افادہ پہلو پر روشنی ڈالتی ہو۔ اکثر کتابوں میں جو تعریف ہمیں ملتی ہے وہ یوں ہے کہ علم النفسیات ذہن (یا روح) اور ذہنی عملیہ (Mental Process) کا علم ہے۔

ہمارے نزدیک یہ تعریف نامکمل ہے، کیونکہ تعریف جب تک ایک اصطلاح، لفظ یا عبارت کی مکمل طور پر تشریح نہ کر دے وہ تعریف کہلانے کی مستحق نہیں ہے علم النفس کی تعریف میں روح یا ذہن کا لفظ موجود ہے۔ جو بذات خود مزید تعریف کا مقضیٰ ہے۔ اسی لئے اگر ایک لفظ یا اصطلاح کی تعریف میں مزید تعریف کی ضرورت پڑے تو وہ تعریف نہ ہی صرف نامکمل بلکہ ناقص بھی ہوتی ہے اور تعریف کے معانی اور مقاصد بھی ہیں کہ جو کچھ ایک لفظ یا عبارت کے اندر معانی پنہاں ہوں وہ صاف صاف ظاہر ہو جائیں اور سمجھنے میں دقت نہ پیش آئے۔

مثلاً میں ایک میز پر بیٹھا اس وقت لکھ رہا ہوں۔ اگر سامنے بیٹھے ہوئے شخص سے دریافت کروں کہ میز کیا چیز ہے تو وہ یقیناً یہی کہے گا کہ یہ ایک لکڑی کی ایسی ترکیب ہے جس کے چار یا تین پاؤں ہوتے ہیں اور ان کے اوپر ایک مناسب لمبائی چوڑائی کا تختہ ہوتا ہے جس پر سہارا لیکر لکھتے ہیں تو گویا اس تعریف سے ہم سمجھ گئے کہ یہ میز ہوتی ہے لیکن اگر وہ صرف اتنا کہے کہ یہ ایک لکڑی کا ڈھا نچا ہے جو لکھنے کے لئے استعمال ہوتا ہے تو یہ بات بہت مہمل سی ہوگی کیونکہ لکڑی کے بہت سے

ڈھانچے بنائے جاسکتے ہیں جو لکھنے کے کام آتے ہیں مگر مزہ نہیں ہوتے۔ تو یہ دوسری تعریف نامکمل ٹھہری کیونکہ مزید تشریح چاہتی ہے۔

یہی ہمارا مطلب علم انقیات کی تعریف سے ہے کہ جو عام طور پر رائج ہے وہ نامکمل اور ناقص ہے۔ ہم علم النفس کی تعریف یوں کرنا چاہتے ہیں کہ یہ ایک ایسا علم ہے جو انسانی سیرت (Behaviour) کی تحلیل (Decipherment or Interpretation) کرتا ہے۔ اس تعریف سے تمام وہ خصوصیات واضح ہو جاتی ہیں جو علم النفس کی اصطلاح کے اندر مخفی ہیں چونکہ علم النفس کا تعلق روح یا ذہن کے ساتھ ہے اور روح اپنی حقیقت کو حرکات و سکنات اور عادات و اطوار کے ذریعہ ظاہر کرتی رہتی ہے اس لئے ہم نے سیرت کا لفظ استعمال کر کے روح کی ایک صفت کو نمایاں کر دیا ہے، صرف سیرت (Behaviour) ہی زندگی کا ایک ایسا انقیاتی پہلو ہے جو روح کا تعلق جسم کے ساتھ ظاہر کرتا ہے اور یہی تعلق ہے جہاں علم النفس زندگی کے مختلف شعبوں میں داخلت کرتا ہے۔ زمانہ قدیم سے علماء و حکما نے روح یا ذہن کی تعریف کرنی چاہی مگر وہ آج تک اس کی حقیقت کو نہ سمجھ سکے اور نہ ہی تعریف کر سکے اور جب کسی انقیاد کوئی مناسب تعریف سوجھی تو وہ تعریف نہ ہوتی بلکہ ایک تشریح ہوتی تھی جس میں تعریف طلب جزئیات پھر بھی رہ جاتی تھیں اور وہ اس کی صفات کا ایک بیان ہوتا تھا۔

رہی یہ بات کہ روح اور جسم کا تعلق کیا ہے تو یہ قدیم نظریوں سے ذرا زیادہ خصوصیت کے ساتھ بیان کیا جا چکا ہے۔ جدید انقیات میں یہ تمام نظریے موجود ہیں مگر یہ ویسی ہیں جو زمانہ قدیم سے چلے آتے ہیں۔ لاطینی کے بعد عربی میں منتقل ہوئے اور عربی سے اب انگریزی میں منتقل ہو رہے ہیں مگر عوام چونکہ ان زبانوں سے ناواقف ہیں اس لئے وہ یہی سمجھتے ہیں کہ یہ ایک بالکل نئی چیز ہے حالانکہ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔ بالڈون (Baldwin) اپنی مشہور کتاب تاریخ علم النفسیات (History of Psychology Vol II. . . .) حصہ دوم میں یہ ذکر کرتے ہیں کہ سب سے پہلا شخص جس نے اس تعلق کو معلوم کیا وہ ابن رشد (Averroes) تھا۔ بہر حال چنانچہ

تعریف کا تعلق ہے اس میں کچھ اضافہ نہیں ہوا۔ حقیقت وہی ہے جو قرآن کریم نے آج سے ساڑھے تیرہ سو برس پیشتر اعلان کر دی تھی۔

وَيَسْئَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ ۗ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا ۝

اور (کے پیغمبر!) یہ لوگ تجھ سے روح کے بارے میں سوال کرتے ہیں تو کہہ دے روح میرے پروردگار کے حکم سے ہے اور تمہیں (اسرار کائنات کا) علم جو کچھ دیا گیا ہے وہ بہت قلیل ہے (اس سے زیادہ تم نہیں پاسکتے)۔

بہر حال روح کی تعریف نہیں ہو سکتی اور نہ ہی آج تک کسی نے کی ہے۔ اس کی محض یہی وجہ ہے کہ انسان کا علم اس سے متعلق بہت قلیل ہے اور ہمارے نزدیک قرآن عزیز کے اس جواب سے بہتر اور جواب کوئی ہو بھی نہیں سکتا تھا۔ یہ کہہ کر اس نے وہ تمام دروازے بند کر دیئے جو شک اور الجھان کے تیر انسان کے قلب میں اتار دیتے ہیں۔ ساسی لئے جب انسان نے یہ محسوس کیا کہ وہ روح کی تعریف کرنے سے قاصر ہے تو اس نے اس کی صفات بیان کرنا شروع کر دیں، ٹھیک جس طرح اس نے اپنے رب کا جتو میں سراغ نہ پایا تو اس کی صفات کو بیان کرنا شروع کر دیا۔

اس مختصری تمبیر سے ہمارا مدعا یہ واضح کرنا ہے کہ علم انفس کی جو تعریف آسکل کی جاتی ہے وہ ناقص ہے اور اس سے کسی طرح بھی مطلب واضح نہیں ہوتا۔ اور زندگی کا نفسیاتی پہلو معلوم کرنے کے لئے لازماً ہے کہ اول یہ معلوم ہو کہ علم کیا ہے۔ ہم نے جو تعریف ابھی سطور بالا میں کی ہے یعنی علم انفس انسانی سیرت کی تحلیل کو کہتے ہیں۔ اس کو پیش نظر رکھ کر ہم زندگی کے نفسیاتی پہلو کو، جو ہمہ تن افادیت سے پُر ہے، پیش کرنا چاہتے ہیں۔ یہ مقالہ حافظہ سے لکھا جا رہا ہے اگر امثال و اقوال میں کہیں ترتیب غلط ہو گئی ہو تو نظر انداز کر دیجئے۔

روح اور جسم | علمی دنیا میں اس تعلق کا بہت گہرا مطالعہ کیا جا چکا ہے اور ہم کہہ آئے ہیں کہ اس تعلق کا تعلق | کو سب سے پہلے واضح کرنے والا شخص ابن رشد (Averroes) تھا۔ جو نظر پڑے

اس وقت تک ہماری نگاہ میں آئے ہیں ہم انہیں اختصاراً یہاں بیان کر دیتے ہیں تاکہ آئندہ صفات کو

سمجھنے میں آسانی ہو جائے۔

اول وہ نظریہ ہے جس کو میٹریل ازم (*Materialism*) کہا جاتا ہے۔ میٹریلسٹ (*Materialist*) کہتا ہے کہ وجود (یعنی مادہ) روح پر اثر کرتا ہے اور اس سے حرکات صادر ہوتی ہیں مثال کے طور پر وہ یہ بات پیش کرتا ہے کہ اگر جسم پر چوٹ لگ جائے تو انسان درد محسوس کرتا ہے یہ شعور اس بات کا ثبوت ہے کہ مادہ نے روح پر اثر کیا۔

دوسرا نظریہ آئیڈیل ازم (*Idealism*) کا ہے جو یہ کہتا ہے کہ ایسا سرگز نہیں ہوتا بلکہ روح، جسم یعنی مادے پر اثر انداز ہوتی ہے اس کے ثبوت میں جو دلیل پیش کی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ جب ہم خوفزدہ ہوتے ہیں یا اور کوئی بُری خبر سنتے ہیں تو فوراً ہمارے دل کی حرکت بڑھ جاتی ہے حلق خشک ہو جاتا ہے اور غالباً ہمارا بلڈ پریشر (*Blood Pressure*) بھی خبر کے مطابق بڑھتا گھٹتا رہتا ہے جدید طب نے انٹرنل سیکریشن (*Internal Secretion*) کا نظریہ پیش کر کے اس چیز کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ جب ہمارے ذہن پر کسی ایسی خبر یا حالت کا اثر ہوتا ہے تو ہمارے جسم کے اندر چند ایک ایسے غدود (*Glands*) ہیں جن سے لعاب (*Secretions*) پیدا ہو جاتے ہیں اور یہ لعاب (*Secretions*) جب خون میں مل کر اس کے ساتھ دورہ کرتے ہیں تو قلب اور جگر پہنچ کر مختلف قسم کے اثرات پیدا کرتے ہیں جو ہمیں دل کی حرکت اور دیگر علامات میں نظر آتے ہیں۔

مندرجہ بالا دونوں نظریے بہت مؤزوں معلوم ہوتے ہیں مگر تحقیق یہاں رک نہیں جاتی اور ایک قدم اور آگے بڑھ کر ان نظریوں کی تردید کر دیتی ہے۔ اور کہتی ہے کہ یہ دونوں اپنی اپنی جگہ درست ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ نہی صرف روح جسم پر یا جسم روح پر اثر کرتے ہیں بلکہ یہ دونوں ایک دوسرے پر متواتر اور یکساں طور پر اثر کرتے رہتے ہیں اور اس نظریے کو ان محققوں نے انٹرایکشن ازم کے نام (*Interactionism*) سے منسوب کیا ہے۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایک مسلسل حرکت اور جدوجہد انسانی جسم میں بھر جاتی ہے۔ اس نظریے پر ایک زبردست اعتراض یہ کیا گیا کہ یہ ناممکن ہے کہ غیر مادی تیز

مادی اشیاء پر اثر کر کے حرکت یا قوت (Energy) پیدا کرے۔ حالانکہ قانونِ حفظِ قوت (The Law of Conservation of Energy) کے مطابق یہ لازم قرار دیا گیا ہے کہ ہر حالت میں حرکت یا قوت (Energy) پیدا کرنے کے لئے بعض مادی اشیاء کا دوسری مادی اشیاء پر اثر انداز ہونا ضروری ہے ورنہ حرکت یا قوت پیدا کرنا ناممکن ہے۔

اس صدی میں علم النفس کے اور بھی مذاہب پیدا ہو گئے ہیں۔ یہ بھی کوئی نئی بات نہیں بتاتے وہی زندگی کے چند موٹے اصولوں پر غور و فکر کر کے ان کو ذرا پھیلا دیتے ہیں اور جدید تہذیب اور تمدن کے مطابق ان کو اپنالیتے ہیں۔

امرکین مذہب سیرت (Behaviourism) کی تائید کرتا ہے وہ تمام تر زور انسانی حرکات و سکنات پر دیتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ علم النفس محض انسانی حرکات و سکنات کا علم ہے یہ تعریف ہمارے نظریے سے بہت حد تک تطابق رکھتی ہے اور ہم اسی تعریف کو اختیار کر کے مزید گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔ دیگر نفسیاتی مذاہب میں سب سے نمایاں ہیں ڈاکٹر زگنڈ فرائڈ (Sigmund Freud)

کاندھب دکھائی دیتا ہے۔ ڈاکٹر ینگ (Dr. Jung) اور ڈاکٹر ایڈلر (Dr. Adler) کے مذاہب بھی اسی کی شاخیں ہیں۔ دراصل ینگ اور ایڈلر ڈاکٹر فرائڈ ہی کے شاگرد تھے جنہوں نے ان کے نظریات کے ساتھ اختلاف کرتے ہوئے علیحدگی اختیار کر لی اور اپنا اپنا مذہب بنایا۔ ان تمام جدید نفسیاتی مذاہب میں سب سے زیادہ جس مذہب میں ہمیں زندگی کا افلوی پیلو نظر آتا ہے وہ ڈاکٹر ایڈلر کا مذہب ہے اگرچہ ڈاکٹر فرائڈ کے نظریہ تحلیل نفسی (Psychoanalysis) میں بھی کارآمد جز موجود ہیں۔ تاہم اس کے نظریوں میں اکثریت تک بندوں کی ہے۔ اور کوئی نئی تحقیق وہ پیش نہیں کرتے۔ ڈاکٹر فرائڈ کا خوابوں کی تعبیر کا نظریہ اس کی (Theory of Sex) کے ساتھ منضبط ہے۔ انسان کے نفسیاتی ارتقا کے مسئلہ پر وہ اسی نظریہ کے ماتحت بحث کرتے ہیں مگر یہ بھی کوئی اچھونا نظریہ نہیں۔ اس قسم کے نظریے مدت سے موجود ہیں۔

ابتداء انہوں نے جن نظریہ لاشعوریت (Theory of The Unconscious)

پیش کیا ہے وہ کسی حد تک مفید ثابت ہو رہا ہے لیکن وہ بھی جہاں تک اس کا تعلق تحلیل نفسی (Psychoanalysis) کے ساتھ ہے ایک تک بند ہی ہے۔ تحلیل نفسی کے عمل کو ہم کسی حد تک عقل طرک (Commonsense) کے ساتھ تشبیہ دے سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر ہم ڈاکٹر فرائڈ کا ایک ادنیٰ تخمینہ بیان کرتے ہیں جو دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ ڈاکٹر فرائڈزریل میں سفر کر رہے تھے اور ان کے ساتھ ایک نوجوان بھی ان کا ہم سفر تھا۔ گفتگو کے دوران میں اس نوجوان نے ایک لاطینی محاورے کا لفظ غلط استعمال کر دیا۔ غالباً اسے لاطینی زبان میں اتنی دہارت نہ تھی مگر ڈاکٹر فرائڈ نے اس غلطی سے اور ہی نتیجہ اخذ کرنا چاہا۔ چنانچہ ڈاکٹر فرائڈ نے تجویز پیش کی کہ وہ اس کی تحلیل نفسی (Psychoanalysis) کر کے اس کو یہ بتانا چاہتا ہے کہ اس غلطی کی وجہ کیا ہے۔ درحقیقت اس سے ڈاکٹر فرائڈ کا نیا یہ تھا کہ اس نوجوان کے فیر شعور کی ذہن میں جو اثرات موجود ہوں ان کو ظاہر کر کے اس غلطی کی وجہ معلوم کرنی جائے۔ ساتھ ہی ڈاکٹر فرائڈ نے اس نوجوان کو اور یقین دلانے کے لئے اپنا کارڈ پیش کرتے ہوئے اپنا تعارف کر لیا اور جو کچھ بہت خوش ہوا اور اس میں اور زیادہ دلچسپی پیدا ہو گئی چنانچہ اس نے اپنے آپ کو اس عمل کے لئے ڈاکٹر فرائڈ کے حوالے کر دیا۔

یہاں یہ بتانا مناسب نہ ہوگا کہ یہ جو لاطینی زبان کا لفظ اس نے غلط بولا تھا تو وہ لفظ کچھ لفظ (Liquous) کی مانند تھا۔ چنانچہ ڈاکٹر فرائڈ نے اپنا عمل Free Association کا شروع کیا۔

یہاں یہ بات بھی گوش گزار کر دینی نامناسب نہ ہوگی کہ ڈاکٹر فرائڈ کے استاد ڈاکٹر شارکو (Charcot) نے جو طریقہ اس عمل کے لئے اول استعمال کیا تھا اس کا نام اس نے (Mental Catharsis) رکھا تھا۔ مگر ڈاکٹر فرائڈ کو یہ مذکورہ مینٹا پٹرا اور اپنا یہ مینٹا پٹرا بجا کر ناپاڑا جس کا نام اس نے (Free Association Method) رکھا۔ غالباً اس کی وجہ یہ تھی کہ شارکو (Charcot) کے عمل میں سیمیزیم (Mesmerism) کا استعمال لازمی تھا اور چونکہ یہ عمل

عوام کے لئے مشکل تھا اسی لئے انہوں نے ایک آسان طریقہ ایجاد کر لیا۔ اس عمل کے مطابق شخص کی تحلیل نفسی کرنا مقصود ہوتا ہے اسے سامنے بٹھالیا جاتا ہے اور تھوڑے تھوڑے وقفے پر اس پر سوالات کئے جاتے ہیں جو زیادہ تر اس قسم کے ہوتے ہیں کہ وہ کیا سوچ رہا ہے۔ پھر جو کچھ اس کے ذہن میں ہوتا ہے وہ بلا تامل ایمان داری سے بتا دیتا ہے۔ پھر ان جوابات کو اکٹھا کر کے ان سے اس کے غیر شعوری ذہن (Subconscious Mind) میں جو کچھ ہوتا ہے اس کو ظاہر کر دیا جاتا ہے۔ یہی وہ ذہن کا حصہ ہے جس میں تمام گذشتہ تجربات محفوظ رہتے ہیں اور ماہرین ضرورت کے وقت ان کو برآمد کر لیتے ہیں۔

چنانچہ ڈاکٹر فرائڈ نے اس نوجوان سے تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد مندرجہ ذیل سوال کئے جسے ہم ایک مکالمے کی شکل میں پیش کرتے ہیں۔

ڈاکٹر فرائڈ:- بتاؤ اس وقت تمہارے ذہن میں کیا خیال گھوم رہے ہیں؟

نوجوان:- میں اس وقت یہ سوچ رہا تھا کہ ایک باغ میں بھاگا جا رہا ہوں اور میرے پیچھے ایک حسین لڑکی روتی ہوئی بھاگتی آرہی ہے۔

ڈاکٹر فرائڈ:- یہ جو لفظ تم لاطینی زبان کا غلط بول گئے ہو، کیا اس کے لگ بھگ تمہیں کوئی اور لفظ بھی یاد ہے؟

نوجوان:- ہاں۔ (1) Liquid (2) Liquor (3) Liquification

ڈاکٹر فرائڈ:- (کچھ دیر ٹھہر کر اور ان کے جوابات کو کاغذ پر نقل کرتے ہوئے) اب کیا سوچ رہے ہو؟

نوجوان:- اس وقت مجھے یسوع کا وہ معجزہ یاد آ گیا تھا جہاں خون شہدین جاتا ہے۔

ڈاکٹر فرائڈ:- (کچھ اور دیر کے بعد) اس وقت کیا خیال تمہارے دماغ میں ہے؟

نوجوان:- اس وقت میری آنکھوں کے سامنے ایک کیلنڈر نمودار ہوا تھا اور میں اس پر تاریخوں کے نشان دیکھ رہا تھا۔

اس کے بعد ڈاکٹر فرائڈ نے سوالات کا سلسلہ بند کر دیا اور کچھ عرصہ کے لئے کاغذ کو لیکر اس میں

مخو ہو گئے۔ پمزمنٹ کے بعد نوجوان کو مخاطب کر کے کہنے لگے کہ میں نے وجہ معلوم کرنی ہے تمہاری اس قلعی کی۔ او وہ یہ ہے کہ تمہاری بیوی ایک ایسے مرض میں مبتلا ہے جس میں حیض کی بے قاعدگی کی وجہ سے درد ہوتا ہے اور جس کو (Dysmenorrhoea) کہتے ہیں!! نوجوان یہ سن کر چونک اٹھا اور اُس نے اس حقیقت کا اعتراف کر لیا۔

اب رہی یہ بات کہ ڈاکٹر فرمائٹے مندرجہ بالا سوال و جواب سے یہ کس طرح اخذ کر لیا تو یہ بات تھوڑے سے غور کے بعد ظاہر ہو جاتی ہے۔ ان جوابات کی تشریح اشاری (Symbolical) ہوتی ہے اور ضروری نہیں کہ جو جواب ہو اُس کو اسی طرح سمجھ لیا جائے بلکہ اس سے اور اخراجات بھی اخذ کئے جاسکتے ہیں۔ چنانچہ ڈاکٹر فرمائٹے نے، عورت، خون، رونا، کیلنڈر، ان تمام امور کو جمع کر کے نتیجہ نکالا کہ اس نوجوان کی بیوی کو یہ مرض لاحق تھا اور اس کا اثر اس کے ذہن پر اس قدر تھا کہ اس نے مجبور کیا کہ یہ لفظ غلط ادا ہو۔

یہ واقعہ ایک معمولی مثال ہے تحلیل نفسی کی جو ڈاکٹر فرمائٹے نے غالباً اپنے لکچرز میں بیان کی ہے۔ میں یہ حافظے سے لکھ رہا ہوں۔ کتاب پاس نہیں ورنہ حوالہ دیدیا جاتا۔ اس مثال کو خواہ کسی نگاہ سے دیکھا جائے اس میں بہت حد تک ٹنگ بندی نمایاں ہے۔ ہم ایسی تشریحات (Symbolical Interpretation) کے لئے کوئی خاص قانون مقرر نہیں کر سکتے۔ ہر چیز کو کسی خاص تعبیر کے ساتھ وابستہ کر دینا درست نہیں۔ اگر یہ درست ہے تو کیا پہ ٹنگ بندی نہ ہوئی؟ ہمارا اس چیز کو بیان کرنے سے مقصد یہ تھا کہ انسانی حرکات و سکنات خواہ وہ جنمائی ہوں یا زبانی، ہر ایک میں معانی پھیل جاتے ہیں۔ جو ایک دقیق نظر رکھنے والا سمجھ جاتا ہے اور ایسی باتوں کی وجہ معلوم کر سکتا ہے خواہ وہ کوئی ہی طریقہ استعمال کرے۔ یہی چیز ترقی کرتے کرتے نفس شناسی اور کشف کی حد تک پہنچ جاتی ہے۔

یہ ایک تسلیم شدہ امر ہے کہ ہر حرکت، یہاں تک کہ جسم کی ساخت اور چہرے کی بناوٹ بھی چند امور اور وجوہات پر منحصر ہوتی ہے۔ اگر یہ درست ہے تو یقیناً یہ وجہ معلوم کی جاسکتی ہے۔ چہرے کی بناوٹ، زندگی کے تجربات کے ساتھ ساتھ بدلتی رہتی ہے اور اسی طرح انسان کے خیالات اس کے



فکری تجربات کے مطابق نشوونما پاتے رہتے ہیں مگر ابھی تک یہ علم اتنا ترقی نہیں کر گیا کہ عوام اس سے مستفید ہو سکیں۔ ہر شخص کے تجربات کی نوعیت مختلف ہوتی ہے اور ان سے ہی وہ اپنے زندگی کے اصول کو پرکھتا ہے۔

انسان کی زندگی میں بہت سے فعل کچھ عجیب طرح سے واقع ہو جاتے ہیں جن کو وہ خود محسوس نہیں کرتا مگر بعد میں اس کو ان کا احساس ہونے لگتا ہے لیکن چونکہ یہ افعال خاص تاثرات کے ماتحت ہوتے ہیں اس لئے جاری رہتے ہیں تا وقتیکہ وہ خود ان کی وجوہات کی تہ تک نہ پہنچ جائے یا کوئی ماہر نفسیات اس کی نفسی تحلیل (Psychoanalysis) نہ کرے۔ ایسے افعال نہ صرف جسمانی حرکات و سکنات میں سرزد ہوتے ہیں بلکہ گفتگو اور تحریر میں بھی اکثر دیکھنے میں آتے ہیں۔ ان میں حرکات و الفاظ کی نقل کچھ اس طرح ہو جاتی ہے کہ جو الفاظ یا حرکات پیش نظر ہوتے ہیں ان سے بالکل مشابہ حرکات اور الفاظ استعمال ہوتے ہیں مگر ان کے معانی اور مقاصد بالکل برعکس نکل آتے ہیں۔ بسا اوقات اس میں ایک مزاحیہ رنگ بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ اسی طرح تقریر میں بھی یہی حال ہوتا ہے۔ اس فعل کو انگریزی زبان میں سپونرزم (Spoonerism) کہا جاتا ہے۔ یہ اصطلاح ڈاکٹر سپونر (Spooner) کے نام کے ساتھ وابستہ ہے جن کی زندگی ایسے حادثات سے پر تھی۔ چند ایک کا یہاں بیان کر دینا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

ڈاکٹر سپونر (Dr. Spooner) کی عادت تھی کہ وہ اپنے کام سے بہت دیر کے بعد فارغ ہوتے تھے۔ چنانچہ گھر واپس لوٹنے میں اکثر دیر ہو جاتی۔ ان کا یہ رویہ ان کی بیوی کو بہت ناگوار گذرتا۔ اور اکثر ان کی اسی بات پر ناراضگی رہتی۔ گویا یہ تنازع ہر روز جاری رہتا۔ ڈاکٹر سپونر کا یہ قاعدہ تھا کہ جب گھر کو کام سے فارغ ہو کر واپس لوٹتے تو موٹر سے اتر کر ورنڈے میں آتے اور اپنی ٹوپی کھوٹی پر لٹکا دیتے اور پھڑی پاس ہی ایک کونے میں کھڑی کر دیتے۔ ایک روز ڈاکٹر صاحب کو معمول سے زیادہ دیر ہو گئی اور آپ بہت گھبرا گئے کہ کج خوب گت پنے گی۔ چنانچہ اسی خیال میں گھر پہنچے اور امادہ کیا کہ آج چپکے سے موٹر رو مری جگہ کھڑی کر دوں گا اور آہستہ سے ورنڈے میں داخل ہو جاؤں گا جب وہ ورنڈے میں پہنچے تو حسب معمول ان کی بیوی منتظر نہ تھی۔ اس بات کو دیکھ کر وہ اور گھبرائے

اور ان کی پریشانی بڑھ گئی۔ چنانچہ اس گھبراہٹ میں جلدی سے انہوں نے چھڑی کو بجائے ٹوپی کے کھڑکی پر لٹکا دیا اور خود بجائے چھڑی کے جا کر کونے میں کھڑے ہو گئے! بہت عرصہ یوں ہی کھڑے رہنے کے بعد ان کی بیوی باہر نکلی اور اس نے یہ ماجرا دیکھا تو بیاختہ ہنس پڑی۔

اسی طرح تقریر میں بھی یہ چیز اکثر ملتی ہے۔ انگریزی کی ایک دلچسپ مثال یوں ہے کہ ایک صاحب تقریر کرنے کھڑے ہوئے اور ان کی تقریر اس فقرے سے شروع ہوتی تھی *On this* *Auspicious occasion.* بجائے اس کے جب آپ نے تقریر شروع کی تو فرمایا *On this Suspicious occasion.*!! گو کہ اس قسم کی مثالیں ہیں زندگی کے ہر شعبے میں ملتی ہی رہتی ہیں۔ اس اصطلاح کو اور ناموں سے بھی واضح کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً *Maladjustment* یا *Mal-Apropism* بھی کہہ سکتے ہیں۔ ان تمام غلط حرکات کی وجوہات تحلیل نفسی (*Psychoanalysis*) کے عمل سے معلوم کر لی جا سکتیں اور اسی طرح ان کا علاج بھی ممکن ہے۔

میں اپنے موضوع سے دور نہ نکلا جا رہا ہوں لیکن ان امثال کا بیان کو دنیا بھی ضروری تھا تاکہ اس امر پر زور دیدیا جائے کہ کس طرح ذہن پر تجربات اثر کرتے ہیں اور کن کن شکلوں میں وہ نمودار ہوتے ہیں۔ یہ تجربات اور اثرات انسان کے غیر شعوری ذہن میں جا کر بیٹھ جاتے ہیں اور ایک الجھاؤ (*Complex*) پیدا کر دیتے ہیں۔

ڈاکٹر ایڈلر کا جب ڈاکٹر فرائڈ کے ساتھ اختلاف واقع ہوا تو انہوں نے اپنا ایک نیا مذہب اختیار کیا جس کا نام انہوں نے *Individual psychology* رکھا۔ اس کی رو سے وہ یہ ثابت کرتے ہیں کہ انسانی حرکات اور عادات بچپن کے تجربات اور ذہنی تاثرات کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ جن عمر بڑھتی ہے تو جس جس ماحول سے انسان ہو کر گذرتا ہے وہ اپنا اپنا اثر پیدا کرتے رہتے ہیں اور ان اثرات کے مطابق اس کی زندگی نشوونما پاتی رہتی ہے۔ اس کی تفصیل بہت لمبی ہے تاہم جسے جہت جہتاً ان نظریات کی تشریح کر دی جائے تو یہ موضوع سمجھنے میں آسانی رہے گی۔

ڈاکٹر ایڈلر کا بیان ہے کہ بچہ پیدا ہونے ہی اپنے گروہ و نواح سے متاثر ہونا شروع ہو جاتا ہے اور اول اول جو اثرات اس پر اثر کرتے ہیں وہ والدین اور بہن بھائیوں کے تعلقات ہوتے ہیں۔ ان اولین اثرات کو وہ خاندانی اثرات (Family Influences) کا نام دیتے ہیں۔ اس نظریے میں بہت سے امور داخل ہیں۔ اول یہ کہ بچہ اکھڑتا ہے یا اس کے اور بھی بہن بھائی ہیں اگر اکھڑتا ہے تو یقیناً لادلا ہوگا اور اس کی زندگی ویسی ہی ہوگی جو لادلے بچوں کی ہوتی ہے۔ یعنی ضدی طبیعت، سست، خود کام نہ کرنے والا، بلکہ ہر کام کے لئے دوسرے کا منتظر کہ وہ اس کا کام کر دیں وغیرہ وغیرہ۔ اگر اس کا کوئی بڑا بھائی ہے تو وہ بہت جدوجہد والا ہوگا اور ہمیشہ اس تاک میں رہے گا کہ بڑے بھائی سے آگے نکل جائے یا اس لئے ہوتا ہے کہ اس کو اس بات کا شعور ہوتا ہے کہ وہ چھوٹا ہے یہ کمی وہ دوسرے طریقوں سے پوری کرنا چاہتا ہے۔ اس کے بعد اس کے والدین کا آپس میں اول اس کے ساتھ تعلق بھی بہت حد تک اثر کرتا ہے۔ والدین کے باہمی تنازع اس کے ذہن پر بہت جلد اثر انداز ہوتے ہیں۔ بچہ اگر لڑکا ہے تو وہ ماں سے زیادہ محبت کرے گا اور باپ سے کم اور اگر لڑکی ہے تو باپ سے زیادہ پیار کرے گی۔ یہ ایک قدرتی اور نفسیاتی فعل ہے جس کی تصدیق تجربہ بھی کرتا ہے۔ اس کے بعد وہ جب اور بڑا ہوگا تو اپنی جسمانی حالت کا جائزہ لے گا اور گھر کے بیرونی ماحول سے متاثر ہوگا۔ اگر وہ خوش شکل اور قد آور ہے تو وہ اپنے میں کوئی کمی محسوس نہیں کرے گا لہذا اس میں کسی طرح کا *Complex* پیدا نہیں ہو سکتا۔ اگر قد و قامت میں چھوٹا اور صحت میں کمزور ہوگا تو اس کو اس بات کا احساس ہو جائے گا کہ اس میں ایک کمی موجود ہے اور وہ احساس کتری - *Inferiority* *Complex* کا شکار ہو جائے گا۔ وہ اس کمی کو دوسرے طریقوں سے پوری کرنا چاہے گا اور اس کوشش اور جدوجہد میں اپنے ساتھیوں سے آگے نکل جائے گا۔ چنانچہ دنیا میں جس قدر بھی بڑے آدمی گذرے ہیں یا موجود ہیں ان میں اکثریت پست قد والوں کی تھی مثلاً لیونارڈو ڈا وینچی ... (Leonardo do Vinci) اور نپولین (Neapolean)!

ڈاکٹر ایڈلر زندگی کی کامیابی کا انحصار احساس کتری یعنی *Inferiority Complex*

پر رکھتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں نفسیاتی دنیا میں (Superiority Complex) کوئی چیز نہیں۔ درحقیقت جو کچھ ہے وہ بیچ مقداری ہی ہے۔ یہ جو ہم دیکھتے ہیں کہ ایک آدمی بڑا بڑا ہے اور اپنے آپ کو اس طرح ظاہر کرتا ہے جیسے وہ عوام سے بالاتر ہے تو اس میں ظاہریت ہوتی ہے جو محض ان کی بناوٹ ہوتی ہے ہم اس کو (Superiority Complex) نہیں کہہ سکتے درحقیقت ایسا شخص اپنی خامیوں کا احساس کر دیتا ہے اور وہ یہ بھی جانتا ہے کہ دوسرے بھی میرے متعلق یہ جانتے ہیں۔ ان کمزوریوں کو چھپانے کے لئے وہ بڑا بن کر دکھاتا ہے۔

ڈاکٹر ایڈلر اس بیچ مقداری کو زندگی میں ترقی کا دارومدار سمجھتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ جب تک اس کا احساس انسان کو نہ ہو گا وہ ترقی نہیں کر سکتا۔ البتہ کچھ عقلمند لوگ ایسے ضرور ہوتے ہیں جو اپنی کمزوریوں کا ایمان داری کے ساتھ اپنے دل میں اعتراف کر لیتے ہیں اور پھر خاموشی کے ساتھ اپنے آپ کو سدھارنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مگر ان کی زندگی میں ایک نہ ایک وقت ایسا آتا ہے جب وہ اس مرحلے سے گزرتے ہیں۔ مگر ایسے لوگوں کو جلد اس بات کا شعور ہو جاتا ہے اور پھر ان کی زندگی میں مسلسل سکون اور اطمینان پیدا ہو جاتا ہے وہ اپنے آپ کو سمجھنے لگ جاتے ہیں اور اپنے کام میں مگن رہتے ہیں۔ اور اس قسم کے Complex کو نزدیک نہیں پھینکے دیتے۔

اس کے بعد ڈاکٹر ایڈلر انسان کی مختلف حرکات کا علیحدہ علیحدہ جائزہ لیتے ہیں ان کا بیان بھی بہت تفصیل چاہتا ہے مگر ہم اس کا خلاصہ پیش کرتے ہیں۔

پیشتر اس کے کہ ہم یہ بیان شروع کریں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم کی ایک آیت کی طرف توجہ مبذول کرادی جائے جس میں اس پہلو کی طرف اشارہ ہے۔ درحقیقت اس ایک آیت میں وہ تمام لوازمات آجاتے ہیں جو بیچ مقداری کی وجہ سے نتائج پیدا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

وَلَا تَمَسُّنَّ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا ۚ  
 وَأَنْتُمْ لَنْ تَمَسُّوا فِي الْأَرْضِ وَلَا تَمَسُّونَ  
 تَبْلُغُ الْعِبَالُ طُولًا  
 اور زمین پر اگر کرمت چلو یعنی تا تم زمین میں  
 شگاف نہیں ڈال سکتے اور نہ ہی پہاڑوں  
 کی بلندی تک پہنچ سکتے ہو۔

اس آیت کریمہ میں تمام علم النقیات کا پنچوڑ موجود ہے۔ اور تمام نظریے اسی ایک آیت کے گرد گھومتے ہیں۔ قرآن کریم فروتی اور انگساری کا سبق دیتا ہے اور غرور کو توبہ لانا چاہتا ہے۔ یہ اسی لئے ہے کہ جب بیچ مقداری حربے زیادہ بڑھ جائے تو وہ غرور اور تکبر کی شکل اختیار کر جاتی ہے۔ اور اس کے نتائج معلوم۔

ڈاکٹر ایڈلر انسان کی علیحدہ علیحدہ حرکات کو اس طرح تقسیم کرتے ہیں مثلاً وضع قطع۔ چال ڈھال، بود و باش، نشست و برخاست وغیر ہم۔ ان میں ہر ایک میں وہ علامات پاتے ہیں جو بیچ مقداری کی وجہ سے پیدا ہو جاتی ہیں اور ان کی باقاعدہ تحلیل کرتے ہیں۔ ان تمام حرکات میں وہ انسان کی طبیعت اور فطرت جس پر ماحول نے اس کو ڈھالا ہے اس کی جھلک دیکھتے ہیں۔ مثلاً اکثر مشاہدہ میں آیا ہے کہ سپت قد انسان پنچوں پر چلنے کا بڑا عادی ہوتا ہے یعنی وہ غیر شعوری طور پر اپنی لمبائی بڑھا کر رکھتا ہے یا اگر دوسروں کے ساتھ کسی کمرے میں ہوگا تو بجائے کرسی کے جہاں اور بیٹھے ہیں وہ بلندی تلاش کرے گا اگر کوئی میز پاس ہوگی تو اس پر بیٹھ جائے گا!۔ یہ حقیقتیں ہیں جو ہم روزمرہ مشاہدہ کرتے ہیں۔ ان حرکات کی وجوہات غیر شعوری ذہن میں موجود ہوتی ہیں جن کا احساس ہر وقت ایسے انسان کو رہتا ہے اور پھر وہ اس کمی کو پورا کرنے کی کوشش کرتا رہتا ہے ان تمام حرکات کا بغور مطالعہ کر کے ڈاکٹر ایڈلر اس بات کا ذرا کرتے ہیں کہ وہ ان کی وجوہات معلوم کر سکتے ہیں۔ ڈاکٹر فرائڈ کی طرح انھوں نے جنس یعنی Sex پر بہت کم زور دیا ہے ان کا زیادہ زور بیچ مقداری ہی پر ہے جس کو وہ زندگی کا لازمہ سمجھتے ہیں۔ اپنی کتاب - What Life Should mean to you میں وہ اس بیچ مقداری کو ایک نہایت دلچسپ مثال سے واضح کرتے ہیں۔

موصوف فرماتے ہیں کہ ایک وفد ایک عورت اپنے تین لڑکوں کو لیکر چڑیا گھر گئی۔ سب سے بڑے لڑکے کی عمر دس سال تھی اس سے چھوٹے کی چھ سال اور سب سے چھوٹا جو تھا تو وہ چار سال کا تھا۔ جب وہ شیر کے پنجرے کے سامنے پہنچے تو ان میں سے ایک نے شیر کے پنجرے کے اندر پتھر

پھینک دیا۔ پتھر کا اندر جانا تھا کہ شیر نے سلاخوں پر پھلانگ لگائی اور دو ہارٹے لگا۔ اب بچوں کی کیفیت ملاحظہ ہو۔ سب سے بڑا لڑکا ماں سے کہنے لگا کہ تم ذرا یہاں ٹھہرو میں جا کر اس کو سمجھانا ہوں درمیانہ لڑکا جو تھا وہ ماں سے بولا کہ مجھے اور پتھر دو میں اس کو ابھی سیدھا کرتا ہوں۔ سب سے چھوٹا جو تھا تو ماں سے کہنے لگا کہ مجھے اس کی شکل پسند نہیں مجھے گھر لے چلو۔

ڈاکٹر ایڈران بچوں کے بیانوں میں بیچ مقداری کی جھلک پاتے ہیں جو عمر کے لحاظ سے ہر ایک میں مختلف احساس کا درجہ رکھتی ہے ان سب کو اس بات کا احساس ہے کہ شیر طاقتور اور خوفناک حیوان ہے مگر یہ بچے اس کمزوری کو مانتے کے لئے تیار نہیں تھے غیر شعوری طور پر وہ یہ بھی جانتے تھے کہ وہ بچے ہیں اور شیر کا مقابلہ نہیں کر سکتے مگر جب انھوں نے شیر کی حرکت پر اظہار خیال کیا تو کسی ایک نے بھی اس کی طاقت کا اعتراف کرنا نہ چاہا۔ بلکہ اس کے بالکل برعکس ہی ظاہر کیا کہ یہ کیا معمولی سی چیز ہے ہم اس کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ سب سے چھوٹے بچے نے جس کی عمر ابھی چار سال ہی کی تھی یہ کہہ کر کہ ماں اس کو گھر لے چلے کیونکہ شیر کی شکل اس کو پسند میں اظہارِ نفرت کیا تو شیر کو ایک معمولی چیز بتا دیا۔ اس نے بھی شیر کو طاقتور اور خوفناک کہنا پسند نہیں کیا۔ اسی مثال میں ڈاکٹر ایڈران نے تین قسم کی بیچ مقداری بیان کر دی ہے جو انٹردیکھنے میں آتی ہے۔

ہمارے نزدیک یہ نظریہ بیچ مقداری بہت دل لگتا ہے اور اس میں بہت سی حقیقتیں پنہاں ہیں۔ اکثر لوگ اس نظریے سے اتفاق نہیں کریں گے اور اسے قبول کرنے میں بہت پس و پیش کریں گے مگر یہ انسانی فطرت کا خاصہ ہے کہ وہ حقیقت سے انکار کرتا ہے اور اپنی کمزوریاں چھپانے کی کوشش کرتا ہے۔ علامہ اقبال کا ارشاد ہے۔

کہوں گرفتارِ طلسم، بیچ مقداری ہے تو

دیکھ تو پوشیدہ تجھ میں شوکتِ طوفان بھی سما

ہم اس حقیقت سے نا آشنا ہیں جو ہمارے اندر پوشیدہ ہے اور اس کی محض وجہ یہی ہے کہ بیچ مقداری کا شکار ہو کر ہم اپنے آپ کو دھوکہ دیتے ہیں اور اپنی منفی قوتوں کو نشوونما نہیں دے سکتے

اگر انسان نہ سمجھے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ بیچ مقداری میں مستقل طور پر پھنس جاتا ہے اُسے انگریزی میں *Fixation* کہتے ہیں اور اس کے نتائج *Obsession* اور *Splitting of the self* یا *Dissociation of Consciousness* میں نمودار ہوتے ہیں، یہ تمام بنیاد خود ایک مستقل موضوع ہیں مگر ہم ان کی تفصیل میں جانا نہیں چاہتے۔

دنیا میں جس قدر اختلافات موجود ہیں ان میں اکثریت ایسی ہے جو افراد کی بیچ مقداری پر قائم ہے۔ اکثر علماء کا اختلاف بھی اسی وجہ سے ہے۔ ہر انسان کو خواہ وہ اس حقیقت کا اعتراف کرے یا نہ، اس بات کا احساس ہوتا ہے کہ ایک شخص اس سے بزرگ ہے اور زیادہ شہرت حاصل کر گیا۔ اکثریت ہم میں ایسوں کی ہے جو اپنی فطری کمزوری اور بیچ مقداری کی وجہ سے اس کو پسند نہیں کرتے اور اس کو شش میں لگے رہتے ہیں کہ اس کو نیچا دکھایا جائے اس سے اہل میں یہ مقصد نہیں ہوتا کہ واقعی وہ شخص لوگوں کی نگاہوں میں گر جائے گا بلکہ مدعا یہ ہوتا ہے کہ اسے جھوٹا ظاہر کر کے اپنے آپ کو بڑا بنایا جائے۔ یہی بیچ مقداری ہے جو غیر شعوری طور پر کام کرتی رہتی ہے لیکن جو شخص (اور ایسے اشخاص بھی دنیا میں موجود ہیں) زندگی کے ان اصولوں کو جانتا ہے وہ کیسوی اختیار کر کے اطمینان سے زندگی بسر کرتا ہے اور دنیا کے بُرا بھلا کہنے پر کان نہیں دھرتا۔ وہ خاموشی سے سب کچھ سُن لیتا ہے مگر کسی کے خلاف زبان نہیں کھولنا پسند کرتا۔ اس ہی ایک علامت ہے عقلمندوں کی اولاس سے ان کی شناخت ہم کر سکتے ہیں۔ یہ لوگ مطمئن ہوتے ہیں کہ ان میں جو کمزوریاں ہیں وہ انہیں خوب جانتے ہیں اور خاموشی سے انہیں سدھارنے میں لگے رہتے ہیں۔ افراد کو چھوڑ کر انہیں کامیابی ہی حال ہے۔ یہ جنگ و جدال جو ہم دیکھتے ہیں تو یہ بھی بیچ مقداری ہی پر منحصر ہے۔

اسی طرح ایک قوم جو ترقی کرنے کے بعد سب کچھ کھو بیٹھتی ہے تو وہ اس کمزوری اور کمی کو محسوس کرتی ہے۔ یہ بات نہیں کہ اُس کو اس کا شعور نہیں ہوتا مگر جب بھی اُس سے کہا جاتا ہے کہ تم اپنے آپ کو سدھارنے کی کوشش کرو تو وہ لڑنے پر آمادہ ہو جاتی ہے کیونکہ اس میں اتنی اخلاقی

قوت ہی باقی نہیں ہوتی کہ وہ اپنی کمزوریوں کا اعتراف کرے۔ یہ غصہ بھی بیچ مقداری کی سب سے بڑی علامت ہے۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ ایک دلیر آدمی بہت کم غصے میں آتا ہے ہمیشہ ناتوان اور کمزور آدمی ہی غصہ کرتا ہے۔ ایسی اقوام اپنے ماضی پر نازاں ہوتی ہیں اور فخر کرتی ہیں کہ

”پر دم سلطان بود“

اب ہم اس بیچ مقداری ہی کے پہلو کو لیکر دیکھتے ہیں کہ ہماری زندگیوں میں یہ کس طرح مفید نتائج پیدا کر سکتی ہے۔

سب سے پہلی بات جس پر انسان کو غور و فکر کرنا چاہئے وہ یہ ہے کہ وہ اپنی ہر حرکت اور فعل سے پہلے اس بات کا اندازہ لگالے کہ وہ کیوں یہ کام کرنا چاہتا ہے۔ کیا اس میں بیچ مقداری کا تو باہتہ نہیں؟ اگر صرف اسی ایک پہلو پر عمل کیا جائے تو انسان کی زندگی میں ایک اخلاقی ضبط پیدا ہو جائے گا ورنہ اگر وہ بغض و عناد اور حسد کی بنا پر کوئی حرکت کرے گا تو اس کے ذہن میں یقینی طور پر ایک اختلاط اور تذبذب پیدا ہو جائے گا۔ اور اگر وہ مطمئن ہو کر اپنے مقصد کی طرف بڑھے گا تو اس کے دل میں کسی قسم کا شک شبہ نہیں رہے گا۔ اسی طرح جب اس کے پاس کوئی شخص آئے تو بیشتر اس کے کہ وہ اس کی بات پر دھیان دے اُسے چاہئے کہ فوری طور پر وہ اس بات کا اندازہ لگائے کہ اس شخص کے آنے کا مقصد کیا ہے اگر وہ اس کی فطرت سے واقف ہے تو اس کو یہ سمجھنے میں مشکل نہیں ہوگی اور وہ فوراً اس کے مدعا کی تہہ تک پہنچ جائے گا۔ آخر یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ کوئی فعل سرزد نہیں ہو سکتا جب تک اس کی ایک خاص وجہ نہ ہو۔ یہاں تک کہ ایک درخت کا پتہ بھی بغیر ہوا کے جھونکنے کے یا اس کی ٹہنی ہلانے کے نہیں ہلتا تو جب اس شخص کے آنے کا حقیقی مقصد ہم کو معلوم ہو گیا تو پھر اس کی آمد کی اہمیت معلوم کرنے میں کوئی دشواری ہی نہیں رہتی۔

معلوم ہونا چاہئے کہ اس دنیا میں جس قدر بناوٹ ہے تمام ظاہریت ہے اور ظاہریت ہی بیچ مقداری کا پیش خمیہ ہے۔ بناؤ سنگار حسنتوں کی ایجاد نہیں بلکہ بد صورتوں کی اختراع ہے کیونکہ وہ حسنتوں سے بھی حین بننا چاہتے ہیں۔ اصلیت ہر حالت میں اصلیت ہی رہتی ہے چھپ نہیں سکتی۔



ہم نے مقالے کے شروع میں ذکر کیا تھا کہ جدید سٹکالوجی میں مزید اضافہ کوئی اتنا نمایاں نہیں ہوا۔ بلکہ وہی پورے نظریے نئی زبانوں کا جامہ پہن کر سامنے آرہے ہیں ہمیں علم النفسیات کے موجودہ نظریوں کے متعلق علمائے اسلام کی کتابوں میں جا بجا یہی باتیں مختلف رنگوں میں ملتی ہیں۔ اگر انھوں نے ڈاکٹر فریڈ کے بعض نظریوں کو جو اخلاقی سطح سے گئے ہوئے ہیں رد کر دیا ہے تو وہ اس زمانے اور تہذیب کی بنا پر تھا ورنہ

کوئی نئی بات نہیں جو ڈاکٹر فریڈ بیان کرتا۔ ہمارے فقیہوں سے یہ بات چھپی ہوئی نہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے متعلق فیصلہ فرمایا ہے جو اپنے باپ کی بیوی کے ساتھ نکاح کرے۔ ابن السکن کی کتاب الصحابہ میں یہ درج کیا گیا ہے کہ خالد بن ابی کریم نے معاویہ بن قرہ سے اور انھوں نے اپنے والد سے روایت کیا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے والد یعنی معاویہ کے دادا کو ایک شخص کی طرف روانہ کیا۔ جس نے اپنے باپ کی بیوی سے نکاح کیا تھا کہ اس کی گردن اڑا کر لے آئے۔

اس حدیث سے اگرچہ باپ کی بیوی حقیقی ماں ٹاہت نہیں تاہم اُسے والدہ کا رتبہ ضرور حاصل ہے اور ڈاکٹر فریڈ کے Oedipus Complex میں حقیقی والدہ کا ذکر ہے مگر وہاں اُس کی اہمیت اس لئے کم ہو جاتی ہے کہ ماں کو بچے سے جدا ہوئے عرصہ دراز ہو گیا جبکہ بچہ غالباً ایک دو سال کا تھا۔ پھر جب وہ جوانی کے وقت اپنی ماں سے ملتا ہے تو اس پر عاشق ہو جاتا ہے اور اُس کو بیاہ لیتا ہے۔ اس قسم کے امور پر علماء اسلام نے زور نہیں دیا کیونکہ یہ تمام امر اخلاق سے گئے ہوئے تصور کئے جاسکتے ہیں اور دوسرے کہ ایسے نظریوں کا زندگی میں کوئی مفید مقصد نہیں۔

تمام کی تمام احادیث علم النفسیات سے بھری پڑی ہیں اگر ڈاکٹر ایڈلر ان میں سے بعضوں کا مطالعہ کرے تو شک کی گنجائش نہیں کہ وہ اپنی Individual psychology کو وہاں پا کر انگشت بیدنیاں ہو جاتے۔ میں چند ایک کی مثالیں یہاں دیتا ہوں۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے ان میں سے بعضوں پر نفسیاتی رنگ میں بحث کی ہے۔ احیاء العلوم میں ایک جگہ فرماتے ہیں کہ

ایک شخص رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ چل کر میرا نکاح پڑھا دیجئے۔ آپ نے فرمایا کیا تم نے لڑکی کو دیکھ لیا ہے؟ اس شخص نے عرض کیا کہ نہیں۔ تب آپ نے فرمایا کہ پہلے دیکھ لو تا کہ تمہارے دل میں اُس پیدا ہو جائے۔ امام غزالیؒ اس کی تشریح نہایت تحقیق اور نغیاتی پہلو سے کرتے ہیں کہ جدید سٹاکا لوجی بھی شرمندہ رہ جاتی ہے۔

ایک اور جگہ انہوں نے ایک اور حدیث بیان کی ہے کہ اپنے عزیز و اقارب میں شادی مت کرو کیونکہ اس سے ضعیف اولاد پیدا ہوتی ہے۔ اللہ اکبر۔ ڈاکٹر فرزند کی تمام Sexual Psychology اس پر فدا کی جاسکتی ہے۔ بیسویں صدی میں ماہرین سائنس عزیز و اقارب میں شادی Intermarriage کے خلاف لکھ رہے ہیں اور مختلف وجوہات بیان کرتے ہیں۔ مثلاً اگر ایک خاندان میں ایک بیماری ہو تو وہ بدستور نسل بعد نسل چلی جاتی ہے۔ مگر ذرا وجہ ملاحظہ کیجئے جو امام غزالیؒ رحمۃ اللہ علیہ کی دور رس نگاہ بتاتی ہے۔ فرماتے ہیں کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ رشتہ داری میں ایک حجاب باقی رہ جاتا ہے اگرچہ شادی بھی ہو جاتی ہے اور اس حجاب کی وجہ سے شہوت مکمل طور پر نہیں آتی جس سے آدمی کی ذہنی کیفیت اور بہت حد تک عورت کی بھی ذہنی کیفیت اس طرح ہو جاتی ہے کہ اگر ایسی حالت میں جماع کیا جائے تو جو نطفہ قرار پائے گا وہ کمزور ہوگا۔

آج کل امریکہ میں ایک مذہب جو حرکات و سکنات کا نظریہ رکھتا ہے یعنی . . . . . Behaviourism کا۔ وہ اس تجربہ میں بہت حد تک کامیاب ہو چکا ہے کہ جماع کے وقت لڑکے کی پیدائش تک کے عرصہ میں وہ باپ اور ماں پر چند ایک باتوں کا اثر کرے (Suggestion) جس طبیعت کا بچہ چاہیں پیدا کر سکتے ہیں۔ درحقیقت یہ ناممکن معلوم نہیں ہوتا کیونکہ انسانی ذہن پر ایک خاص طریقہ سے اگر باقاعدہ اثر ڈالا جائے تو خاطر خواہ انجام حاصل ہو جاتا ہے۔ اچھے بھلے

۱۔ امام غزالیؒ رحمۃ اللہ علیہ کی ہر نقل کردہ روایت کو صحیح حدیث نہ سمجھنا چاہئے۔ اس باب میں ان کا مذاہب صوفیائے کرام کا ساہب۔ (در بیان)

انسان کو آپ پاگل کہے اور کچھ عرصہ تک اس کو بکتے رہے تو وہ ضرور ایک وقت پاگل ہو جائیگا بمقصد فرض اتنا ہے کہ اس کے ذہن میں ہی نہ صرف خیال پیدا کر دیا جائے بلکہ اس کو یقین بھی کر دیا جائے۔ عورت کے ذہن پر اثر جو ہو گا وہ ہمیشہ رحم پراثر کرے گا اور رحم کی حرکت نطفہ پراثر کرے گی۔

بہر حال اگر یہ سب کچھ درست ہے تو یہی حقیقت آج سے ساڑھے تیرہ سو سال پہلے واضح ہو چکی تھی۔ ابوعلی سینا اپنی تصنیف کتاب النفس میں اس قسم کے نظریے پیش کرتے ہیں کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ یہی نظریہ آج پھر از سر نو تازہ ہو رہے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ وہ علوم جو فارسی اور عربی میں موجود تھے اب انگریزی، جرمن اور فرینچ میں منتقل ہو رہے ہیں اور عوام چونکہ ان زبانوں سے آشنا نہیں، ہماری حالت محض ایک جاہل کی سی ہو جو ایک نئی بات سُن کر چونک اٹھتا ہے اور وہ نہیں جانتا کہ اس میں نئی بات کوئی نہیں آپ کے کوئی حدیث ایسی نہیں ملے گی جس میں زندگی کے نفسیاتی پہلو ایک افادیت نہ رکھتے ہوں۔ ایک چھوٹی سی حدیث اور اس وقت یاد آگئی ہے جو اسی موضوع سے متعلق ہے اور وہ یہ کہ جب مین بان کے گھر جاؤ تو جس طرف سے کھانا آتا ہے اُس طرف پیٹھ کر کے بیٹھو، مبادا کہ گھر میں ملازم نہ ہو اور گھر کی عورتیں ہی کھانا بنا رہی ہوں اور شاید تمہاری نظر پڑ جائے۔ ان احادیث میں کس بلا کا مطالعہ ہے انسانی نفسیات کے متعلق قدم قدم پر Complexes کو روک دیا گیا ہے اور ایک ایسی صاف راہ بتادی گئی ہے جو زندگی کے لئے بہت آسان ہے۔

کمالِ حسن تری راہ گذر کو کیا کہئے !

اس قسم کی بے انتہا مثالیں دی جاسکتی ہیں جن سے واضح کیا جاسکتا ہے کہ جس طرح ڈاکٹر ایڈلر نے اپنی *Individual psychology* کو مختلف جزئیات میں تقسیم کر دیا ہے اسی طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قرآن بھی مختلف ابواب میں تقسیم ہو چکے ہیں اور ہر باب ایک مستقل نفسیاتی پہلو رکھتا ہے۔ قصہ بطحا علم النفسیات کا افادی پہلو بس یہی ہے کہ وہ اپنے آپ کو سمجھنے کی کوشش کرے اور اپنی کمزوریوں کا اعتراف کرتے ہوئے ایماندارانہ زندگی بسر کرے اور ہر قسم کی ظاہریت اور بناوٹ سے بچے۔ احادیث کا یہ نفسیاتی پہلو عوام کی نگاہوں کو پوشیدہ ہے ہم کامل یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ زندگی کے کسی پہلو پر بھی اس قدر روشنی نہیں ڈالی گئی جتنی روشنی ہمیں احادیث میں ملتی ہے۔ سب بڑی چیزیں یہی ہیں کہ انسان اپنے آپ کو اپنے رنگ اصلی میں پہچانے۔ شاید اسی لئے کہا گیا ہے من عرف نفسه فقد عرف ربه۔ تو پھر جس نے اپنی پہچان کے بعد اپنے رب کو پہچان لیا تو کیا یہی بڑی پہچان ہے وہ۔